مورخِ ملت
مولانا سیدِ محمد میاں
اور
میوات

از

ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی

جناب شبّیر احمد خان میواتی

(لاہور-پاکستان)

موبائل/وٹس ایپ:03314894305

توصیف الحسن خان میواتی الہندی

(بھنگوہ-میوات-بھارت)

موبائل/وٹس ایپ:9813267552

حرفِ چند

میو قوم اور علاقۂ میوات کی تاریخ وتہذیب، شخصیات و تحریکات، زبان ولسانیات اور شعر وادب کے بارے میں اہم، نادر ونایاب اور اہم کتابوں، کتابچوں، پمفلٹوں، رسائل وجرائد کے شماروں اور مضامین کو *پی ڈی ایف* کے ذریعہ سے محفوظ اور عام کرنے کے لیے میو قوم کے دو نامور محقق، ادیب وصحافی:

ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی (دہلی)،

جناب شبّیر احمد خان میواتی (لاہور)

کی سرپرستی اور نگرانی میں جہد ومساعی کا آغاز کر رہے ہیں، دوستوں سے گزارش ہے کہ دل چسپی لیں اور تعاون فرمائیں، ان کے پاس یا ان کے علم میں کسی بھی نوع کی کتابوں حتیٰ کہ کوئی خبر، اشتہار، دعوت نامہ، خط، تصویر یا کوئی دستاویز، مطبوعہ یا غیر مطبوعہ، جو کچھ بھی ہو، ازراہِ کرم ہمیں فراہم کریں تاکہ اسے محفوظ کرکے دست بردِ زمانہ سے بچایا جاسکے اور اہلِ علم وتحقیق کی اس مواد ولوازمہ تک رسائی بالکل آسان ہوسکے۔ہم آپ کے تعاون کے دل سے شکر گزار ہوں گے۔ واضح ہو کہ

اس سلسلہ کی دو کاوشیں

(1) ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی کے مقالہ:

"بابائے اردو مولوی عبدالحق اور میوات"

(2) منشی محمد مخدوم تھانوی کی نادر و نایاب کتاب

"مُرقع اَلوَر"

کی پی ڈی ایف عام کر دی گئی ہیں, جبکہ تیسری کاوش,

ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی کے مقالہ

"مورخِ ملت مولانا سید محمد میاں اور میوات"

کی پی ڈی ایف

آپ کے زیرِ نظر ہے, آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں کہ اللّٰہ

ہمیں مزید توفیقات سے نوازے, آمین.

(توصیف الحسن میواتی الھندی)

سید الملت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ سابق ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند
کی حیات وخدمات پر پیش کئے گئے مقالات ومضامین کا مجموعہ

بموقع

مولانا سید محمد میاںؒ سیمینار (زیر اہتمام جمعیۃ علماء ہند)

منعقدہ ۷-۸ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۵-۱۶ دسمبر ۲۰۱۸ء نئی دہلی

جمعیۃ علماء الھند

تذکرہ سید الملتؒ

سید الملت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ سابق ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند
کی حیات وخدمات پر پیش کئے گئے مقالات ومضامین کا مجموعہ

بموقع

''مولانا سید محمد میاںؒ سیمینار'' (زیر اہتمام جمعیۃ علماء ہند)

منعقدہ ۷-۸/ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۵-۱۶/دسمبر ۲۰۱۸ء نئی دہلی

مرتب

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

کنوینر مولانا سید محمد میاںؒ سیمینار

ناشر

جمعیۃ علماء ہند

۱- بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی

تفصیلات

نام کتاب	:	تذکرہ سید الملت ؒ (مجموعۂ مقالات مولانا سید محمد میاں ؒ سیمینار)
مرتب	:	مولانا ضیاء الحق خیر آبادی
صفحات	:	**1184**
طبع اول	:	رجب ۱۴۴۰ھ مطابق مارچ ۲۰۱۹ء
ناشر	:	جمعیۃ علماء ہند، ۱۔ بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی
قیمت	:	1000/=

ملنے کے پتے

☆ الجمعیۃ بک ڈپو، گلی قاسم جان، دہلی

☆ فرید بک ڈپو پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی

☆ مکتبہ ضیاء الکتب، خیر آباد، ضلع مئو (یوپی) 9235327576

☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

☆ مکتبۃ الحرمین نزد مظاہر علوم سہارن پور 7896886868

☆ مکتبہ الفہیم صدر چوک مئو ناتھ بھنجن 9236761926

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مقالات

سید الملت کی علمی خدمات:

ذکر تخصصات سید الملت:

سید الملت کی ملی و جمعیتی خدمات:

سید الملت کی صحافتی خدمات:

سید الملت کی نثری جہات:

تعارف و تجزیہ تصنیفات و تالیفات سید الملت:

تعلقات سید الملت یعنی سید الملت کی تدریسی ودعوتی وابستگیاں:

ماتم گساران سید الملت:

حصہ دوم (قدیم مقالات ومضامین)

حصہ سوم (منتخب تحریریں)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ضیاء الحق خیرآبادی (کنوینرسیمینار)
zeyaulhaquekbd@gmail.com
Mob: 9235327576

۲۰۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند نے پورے وقار کے ساتھ اپنے قیام کے سوسال پورے کر لئے۔ یہ اللہ رب العزت کی خصوصی نصرت واعانت کا مظہر ہے۔ **یــد الله عــلـــی الجماعة** کا مصداق اس جماعت کی ایک صدی پر محیط ایک روشن تاریخ ہے۔ تحریک آزادی سے لے کر وطن کی آزادی تک اس جماعت کا قائدانہ کردار رہے، آزادی کے بعد فسادات کے طویل اور بھیانک سلسلے کے دوران جمعیۃ علماء ہند کی رفاہی وملی خدمات کی ایک طویل داستان ہے۔ علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت، مکاتب ومدارس کے قیام اور مسلمانوں کے دینی وملی مسائل کے حل کرنے میں اکابر جمعیۃ کی جدوجہد اور قربانیاں، اور ملک گیر سطح پر دیگر ہمہ جہت خدمات میں اس جماعت کا کردار مسلمانان ہند کی تاریخ کا تابناک باب ہے۔ جس کو نسلِ نو تک منتقل کرنے کی ضرورت بھی تھی اور جمعیۃ کے بلند کردار و بے لوث قائدین وعلماء اور صدور ونظماء کی شخصیات اور کارناموں سے روشناس کرانے کی حاجت بھی، تاکہ آج کے پُرآشوب دور میں ان کے پیش کردہ خطوط کی روشنی میں راہ عمل طے کی جاسکے۔

اس لئے جمعیۃ کی مجلس عاملہ نے یہ فیصلہ کیا کہ صد سالہ اجلاس سے پہلے مرکزی سطح کی اہم شخصیات کی حیات وخدمات کے تعارف میں ملکی پیمانے پر سیمینار کرائے جائیں، جو اُن شخصیات کے لئے سب سے بہتر خراج عقیدت ہوگا اور ملت اسلامیہ ہند جان سکے گی کہ آج آزاد ہندوستان میں اقلیت میں ہونے کے باوجود تمام دستوری وآئینی حقوق حاصل

ہونے میں ان بزرگوں کا کتنا زبردست احسان مسلمانان ہند پر ہے۔

اس سلسلہ کا پہلا پروگرام ۱۵/۱۶/ دسمبر ۲۰۱۸ء کو دارالحکومت دہلی میں منعقد ہوا، یہ جمعیۃ علماء ہند کی دو اہم شخصیات مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد اور مولانا سید محمد میاں پر ہوا۔ مولانا سید محمد میاں پر ہونے والے پروگرام کا کنوینر مجھے بنایا گیا۔

''**مولانا سید محمد میاں** ملت اسلامیہ ہند کے بیدار مغز قائد، تحریک آزادی کے جانباز سپاہی، اسلاف کی امانت کے پاسبان، جمعیۃ علماء کے بے لوث ترجمان، حضرت شیخ الاسلام کے افکار ونظریات کے حامل ونگہبان، حضرت مجاہد ملت کے معتمد علیہ معاون ومددگار ،تعمیر ملت کے معمار اور میدان درس وتدریس کے شہ سوار تھے۔ ایسے افراد صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور صدیوں کا کام سالوں میں کر جاتے ہیں، انھوں نے اپنی حیات مستعار کو ملت اسلامیہ کی بقاوترقی کی راہ میں کھپا دیا اور اپنے کارناموں کی ایک تاریخ چھوڑ گئے، تصانیف کا بیش بہا ذخیرہ ہمیں دے گئے، دینی تعلیمی تحریک کو ہندوستان کے گوشے گوشے اور گھر گھر میں پہنچانے کا کام کر گئے۔ وہ واقعی اقبال کے اس شعر کا مصداق تھے

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز ــــ یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے''

اس سیمینار کو کامیاب بنانے میں مجھ سے جو کچھ ممکن ہوسکا میں نے اس سے دریغ نہیں کیا، اور اب اس سیمینار کا حاصل مجموعۂ مقالات کی صورت میں آپ کے سامنے ہے، اب فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ مجھے اس میں کس قدر کامیابی حاصل ہوئی۔ میرے لئے سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ مولانا سید محمد میاں پر ان کی وفات کے بعد سے اب تک کوئی کام نہیں ہوا سوائے مولانا مسعود عزیزی ندوی کی کتاب ''تذکرہ مولانا سید محمد میاں'' کے، جو دوسو صفحات پر مشتمل ہے اور بیحد تشنہ ہے۔ اس لئے مقالہ نگار حضرات کو معلومات فراہم کرنے کے لئے اخبارات ورسائل کی فائلیں (خصوصاً روزنامہ وہفت روزہ الجمعیۃ کی فائلیں) اور جمعیۃ کے قدیم لٹریچر کو کھنگالنا پڑا اس طرح تنکے تنکے جمع کرکے یہ آشیاں تعمیر ہوا ہے، اور ان شاء اللہ آئندہ مولانا کی شخصیت پر کام کرنے کے لئے یہ سنگ میل ثابت ہوگا۔ ان مقالات کی

اشاعت کے وقت یہ رائے ہوئی کہ سیمینار سے پہلے مولانا کی حیات وخدمات پر جو کچھ لکھا گیا ہے اسے بھی اس میں شامل کر دیا جائے تا کہ مولانا پر کام کرنے والوں کو ساری معلومات یکجا دستیاب ہو جائیں، مجھے یہ خیال ہوا کہ اخیر میں مولانا کی کچھ اہم تحریروں کے نمونے بھی دینا چاہئے، چنانچہ شخصیات، مکاتیب، تقریظات، اور خطبات میں سے چند ایک نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ مجموعہ تین حصوں پر مشتمل ہے، پہلا حصہ سیمینار میں پیش کئے گئے مقالات پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ سیمینار سے پہلے لکھے گئے قدیم مقالات پر مشتمل ہے۔ تیسرا حصہ مولانا کی تحریروں کے انتخاب پر مشتمل ہے۔

سیمینار کی تیاری سے لے کر مجموعہ مقالات کی ترتیب واشاعت تک بہت سے لوگوں کا تعاون مجھے حاصل رہا، جن میں سے بعض حضرات کا شکریہ ادا کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اول وآخر سب سے زیادہ میں شکر گزار ہوں مولانا معز الدین صاحب گونڈوی (ناظم امارت شرعیہ جمعیۃ علماء ہند) کا، انہیں کی پیشکش پر میں نے یہ ذمہ داری قبول کی اور انہیں کے تعاون اور رہنمائی میں اس راہ کے بیشتر مراحل طے ہوئے۔ اس کے بعد مولانا سید محمد میاں کے صاحبزادے مولانا ساجد میاں اور ان کے پوتے مولانا محمود میاں بن مولانا حامد میاںؒ (شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور) نے بے حد تعاون کیا، مولانا ساجد میاں نے رسالہ قائد مرادآباد کی مکمل فائل مہیا کی، نیز دوسری بہت سی اہم معلومات فراہم کیں اور خود بھی ایک مبسوط مقالہ لکھا۔ مولانا محمود میاں نے پاکستان کے کئی اہل قلم سے مقالات لکھوائے اور خود بھی ایک مقالہ لکھا اور مولانا پر بہت سی تحریریں ارسال کیں۔ لاہور سے جناب شبیر احمد میواتی کی رہنمائی بھی مجھے حاصل رہی۔ مواد کے حصول میں میرے رفیق درس مولانا عبدالملک رسولپوری (منتظم محمودیہ لائبریری جمعیۃ علماء ہند) اور مولانا محمد اللہ صاحب (شعبہ انٹرنیٹ دارالعلوم دیوبند) نے بہت مدد کی، میں وقت ناوقت ان لوگوں کو زحمت دیتا رہا اور یہ حضرات پوری بشاشت کے ساتھ مطلوبہ مواد فراہم کرتے رہے۔ الجمعیۃ کی فائلوں سے مطلوبہ مواد کو تلاش کرنے میں مفتی منظور احمد صاحب کانپوری کے صاحبزادے مولانا منصور

احمد صاحب قاسمی کی مسلسل معاونت مجھے حاصل رہی۔ مجموعہ مقالات کی کتابت کے بعد میرے استاذ زادے اور عزیز شاگرد مولانا عرفات اعجاز اعظمی نے اس کا ایک ایک حرف پڑھا اور اغلاط کی تصحیح کی اور بہت سے مشورے دئے، جن کی روشنی میں یہ مجموعہ مرتب ہوا۔ اللہ تعالیٰ تمام معاونین ومحسنین کو اپنے شایان شان اجرعطا فرمائیں۔

میں حد درجہ شکرگزار ہوں جمعیۃ علماء کے تمام اراکین ومتعلقین بالخصوص صدر جمعیۃ علماء ہند استاذ محترم مولانا قاری محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم اور جمعیۃ کے متحرک وفعال جنرل سکریٹری مولانا سید محمود مدنی دامت برکاتہم کا جنھوں نے جمعیۃ علماء ہند کے قیام کے سو سال پورا ہونے پر اکابر جمعیۃ کے کارناموں کو دستاویزی شکل میں محفوظ کردینے کا خاکہ تیار کیا اور سیمینار کی شکل میں اس کو عملی جامہ پہنانے کا تاریخی قدم اٹھایا، اور مجھے بحیثیت کنوینر اس کی ذمہ داری سونپی۔ ان حضرات کی دلچسپی اور توجہ سے یہ جمعیۃ کی تاریخ کا ایک کامیاب سیمینار ثابت ہوا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

اس مجموعہ کی جمع وترتیب میں مَیں نے اپنی تمام ممکنہ صلاحیت وقوت صرف کردی، اور اسے خوب سے خوب تر بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، لیکن ایک بشری کوشش خامی ونقائص سے کب خالی رہ سکتی ہے، اس لئے اگر کوئی کمی اور خامی نظر آئے تو مرتب کو مطلع فرمائیں۔ میں اپنی بات ادیب شہیر مولانا عبدالماجد دریابادی کے ان جملوں پر ختم کرتا ہوں:

”جو باکمال اس میٹھی پھیکی غذا پر منہ بنائیں گے وہ محض اپنی خوش ذوقی اور حقیقت سنجی کا ثبوت دیں گے اور جو پردہ پوشی سے کام لیں گے وہ کرم فرمائی اور صفت ستاری کا نقش بٹھا دیں گے۔ مقامِ عدل ومقامِ فضل دونوں اپنی جگہ خوب ہیں، لیکن کہنے والے کہتے ہیں کہ دوسرا پہلے سے خوب تر ہے اور اس سے اعلیٰ وبرتر۔“

ضیاء الحق خیرآبادی، ایڈیٹر مجلّہ رشد وہدایت

ومدرس دارالعلوم تحفیظ القرآن، سِکھٹی، مبارکپور اعظم گڈھ

۲؍جمادی الاخریٰ ۱۴۴۰ھ مطابق ۸؍فروری ۲۰۱۹ء جمعہ

کلمات تشکر و امتنان

سید محمود اسعد مدنی جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند

میرا دل بارگاہ رب العزت میں تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز ہے کہ محض اسی کے فضل اور توفیق سے جمعیۃ علماء ہند کی صد سالہ تقریبات کی پہلی کڑی بعنوان ''سیمینار مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد اور مولانا سید محمد میاں'' بحسن وخوبی اختتام کو پہنچی۔ سیمینار کی پہلی نشست ۱۵/دسمبر ۲۰۱۸ء کو ماؤلنکر ہال نئی دہلی میں منعقد ہوئی۔ ۱۶/دسمبر ۲۰۱۸ء کو مدنی ہال مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند میں صبح نو بجے سے ظہر تک سیمینار کی آخری نشست منعقد ہوئی، جس میں حضرات اہل علم نے مولانا سید محمد میاں پر لکھے گئے مقالات کا خلاصہ پیش کیا، یہ کل ۳۷ مقالات تھے، مقالہ نگار حضرات کا تعلق ملک کے اہم اداروں اور جامعات سے تھا۔

یہ مجموعہ سیمینار میں پیش کئے گئے مقالات پر مشتمل ہے، جن کو سیمینار کے کنویز مولانا ضیاء الحق صاحب خیرآبادی نے بڑی محنت و کاوش کے ساتھ کتابی شکل میں مرتب کیا ہے۔ یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ ان مقالات میں پیش کی گئی آراء مقالہ نگار حضرات کی ذاتی آراء ہیں، جن سے جمعیۃ علماء ہند کا اتفاق ضروری نہیں ہے۔ ہم نے دیانتاً ان کو باقی رکھا ہے اور کہیں کہیں ان پر نوٹ اور حواشی لکھ دیئے گئے ہیں، لیکن ہر جگہ اس کا التزام نہیں کیا گیا ہے۔

میں تمام مقالہ نگار حضرات کا ممنون و مشکور ہوں جن کی بلند پایہ تحقیقی نگارشات نے سیمینار کو کامیابی سے ہمکنار کیا، اور اس سیمینار کے کنویز مولانا ضیاء الحق صاحب خیرآبادی کی عمدہ کارکردگی، محنت و کاوش اور توجہ و لگن کو سراہتا ہوں اور ان کے علمی، قلمی اور عملی تعاون کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محمود اسعد مدنی

یکم/جمادی الاخریٰ ۱۴۴۰ھ مطابق ۷/فروری ۲۰۱۹ء جمعرات

مؤرخ ملت مولانا سید محمد میاں
اور
میوات

ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی
اسسٹنٹ پروفیسر
ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
E-mail:muftimushtak@gmail.com

مؤرخ ملت مولانا سید محمد میاں (۱۹۰۳-۱۹۷۵) اپنے دور کے ایک عظیم قائد، مصنف، عالم دین، مؤرخ، اور بہترین استاد تھے۔ وہ دیوبند میں پیدا ہوئے، دارالعلوم دیوبند سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد پہلے بہار کے ایک مدرسے میں استاد رہے پھر مرادآباد کے مدرسہ شاہی سے وابستہ ہو گئے۔ حالاں کہ مولانا درس و تدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے لیکن ان کا مزاج سیاسی اور تحریکی مزاج بھی تھا۔ اس لیے شروع سے ہی تحریک آزادی میں سرگرم ہو گئے اور جمعیۃ علماء ہند سے بھی وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۲۹ء سے ۱۹۴۵ء کے دوران جمعیۃ علماء ہند کی زیر قیادت تحریک آزادی میں عملی حصہ لیا۔ کئی مرتبہ جیل بھی گئے۔ ۱۹۴۵ء میں جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی کے عہدے پر فائز ہوئے اور ۱۹۶۳ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ کم و بیش بیس سال ہندستانی سیاست کے انتہائی ہنگامہ خیز دور میں قیادت کی ذمہ داری سنبھالی، تقسیم وطن کے سانحہ میں انھوں نے ہندستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کی تعمیر کا کام کیا اور پاکستان سے ترک وطن کر کے آنے والے ہندو بھائیوں

کی بھی امداد کی۔ اسلامیانِ ہند کی تاریخ کے اس نازک موڑ پر مولانا نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ نہایت سرگرم سیاسی زندگی گزارنے کے بعد ۱۹۶۳ء میں جمعیۃ علمائے ہند کی نظامت چھوڑ کر مدرسہ امینیہ میں تدریسی مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ یہاں شیخ الحدیث بھی رہے اور مفتی بھی۔ اسی ذمہ داری کے دوران ۱۹۷۵ء میں مولانا کی وفات ہوگئی۔

مولانا سید محمد میاں دیوبند کے ایک ذی علم گھرانے کے فرد تھے۔ علم دین کی خاندانی روایت کے ساتھ آپ نے دارالعلوم دیوبند جیسے اہم علمی ادارے کی علمی فضاؤں نے ان کے ذوق کی مزید آبیاری کی، حدیث مولانا انور شاہ کشمیری سے پڑھی۔ اس کے بعد کئی سال خود استاد رہے اور سیاسی مصروفیات اور آخر عمر میں دوبارہ درس وتدریس۔ اس پورے منظر نامے میں مولانا کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو ان کا ذوق تصنیف وتالیف ہے۔ درس و تدریس اور سرگرم سیاسی زندگی کے ساتھ انھوں نے متعدد اہم علمی کام کیے۔ ان کی کتابوں کی تعداد کم وبیش ۹۰ ہے۔ ان تصنیفات میں مولانا نے درسیات، سیرت طیبہ، تاریخ، سیاست، تذکرے اور بچوں کے لیے دینی کتابیں شامل ہیں۔ مولانا نے بعض ایسی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جو بذاتہٖ حوالہ ہے۔ ان کے حوالے کے بغیر ہندستان کی تاریخ لکھی ہی نہیں جا سکتی۔ جیسے علماء ہند کا شاندار ماضی، ۳ جلد، اسیران مالٹا، تحریک شیخ الہند وغیرہ اور جمعیۃ علماء کی تاریخ کے مدون کرنے والے ہی وہ ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا مولانا خود تحریکی ذہن رکھتے تھے۔ ان کی حیات حرکت وعمل سے عبارت تھی اور ان کا یہ فعال کردار ان کی تصنیفات میں بھی نظر آتا ہے۔ ان کی بیشتر تصنیفات بامقصد ہیں، وہ تصنیف برائے تصنیف نہیں ہیں۔ ان کو ڈاکٹریٹ کرنی تھی نہ ایوارڈ لینا تھا۔ انھوں نے جو کچھ لکھا امت کی بہتری کے لیے لکھا، اسلامیان ہند کی بیداری کے لیے لکھا۔ اس لیے آج بھی ان کی کتابیں زندہ وتابندہ ہیں اور نئے لکھنے والوں کے لیے مرجع کا کام کرتی ہیں۔ (۱)

مولانا نے ہندستان کی تاریخ کے بعض پہلوؤں پر تفصیل سے لکھا ہے۔ جنگ آزادی کی تاریخ پر بھی ان کی کتابیں اہم حوالے کی حیثیت رکھتی ہیں اور جمعیۃ علماء کی تاریخ پر

انھوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ان کتابوں میں ضمناً میوات اور اہل میوات کا بھی تذکرہ آ گیا ہے۔اس مضمون میں کوشش یہ ہوگی کہ میوات کے تعلق سے مولانا کی جو خدمات قرطاس وقلم میں مقید ہیں ان کو یک جا کر دیا جائے۔

میوات کا علاقہ دہلی سے متصل ہے۔میواتی ہمیشہ سے اپنی ضرورتوں کے لیے دہلی آتے رہے۔تبلیغی جماعت کے آغاز کے بعد تو دہلی میواتیوں کا گویا وطن ثانی ہی بن گیا تھا، کیوں کہ تبلیغی جماعت کا مرکز بستی حضرت نظام الدین میں ہے جو دہلی میں واقع ہے۔ مسلمانان میوات کے مربی حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ وہیں رہتے تھے۔اس کے علاوہ جمعیۃ علمائے ہند، مدرسہ سبحانیہ، مدرسہ امینیہ اور دیگر مدارس سے اہل میوات کا گہرا رابطہ رہا ہے۔مولانا محمد میاں جمعیۃ علمائے ہند کے سکریٹری تھے اور بعد میں مدرسہ امینیہ کے استاد بھی رہے، اس لیے بھی مولانا کا تعلق میوات سے بہت گہرا استوار ہو گیا۔میوات کے لوگوں سے مولانا کی ملاقاتیں تھیں۔میوات میں مولانا کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد رہی ہے اور میوات کے لوگوں کی فکر کرنے اور ان کے لیے سہولت پہنچانے میں مولانا ہمیشہ پیش پیش رہے۔ذیل میں ہم پہلے تحریک آزادی ہند اور میوات کے حوالے سے دو اکابر کا تذکرہ کرتے ہیں:

میوات اور میو قوم سے متعلق مولانا محمد میاں کی تحریروں میں ایک اہم حوالہ شاہزادہ فیروز شاہ کا ہے۔شاہزادہ فیروز کا پورا نام شاہزادہ فیروز صاحب عالم مرزا ناظم بخت تھا۔وہ شاہ عالم ثانی کے بیٹے تھے۔اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔علوم کی تکمیل کے بعد حجاز مقدس کی زیارت کے لیے گئے ہوئے تھے۔جب واپسی میں ہندستان پہنچے تو یہاں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا آغاز ہو چکا تھا۔یہ بھی وطن میں آکر جدوجہد آزادی میں سرگرم ہو گئے انھوں نے وطن عزیز کی حفاظت اور اس کی آزادی کے تحفظ کے لیے بڑی جدوجہد کی۔خاص بات یہ ہے کہ ان کا میوات کے لوگوں سے خاص تعلق تھا اور وہ بھوپال کے علاقے مندسور میں بھی رہے جو میواتیوں کا گڑھ ہے اور اس کے بعد میوات میں آکر بھی انھوں نے آزادی کی جنگ جاری

رکھی۔ مولانا محمد میاں نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک انگریز مورخ کے حوالے سے لکھا ہے:

''وسط اگست میں مالوہ کے اندر سرکشی نے خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ ان کی سالاری کا منصب فیروز شاہ نام کے ایک مذہب دوست اور مجاہد شہزادے نے سنبھال لیا۔ مندسور کے مسلمانوں نے دوسرے فرقوں کو ملا کر گوالیار کی حکومت فتح کر لی اور شاہزادہ کی حکمرانی کا اعلان کر دیا۔ وہاں بہت سے میواتی، مکرانی اور افغانی موجود تھے وہ ساتھ ہو گئے۔ مندسور کا حاکم اور کوتوال زخمی ہوا۔ ایک افسر مارا گیا۔ پھر حاکم کے محل پر حملہ ہوا۔ خزانہ لوٹ لیا گیا۔ دفاتر جلا دیے گئے۔ یہاں کے قدیمی امراء میں ایک شخص مرزا جی تھا اس کو وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ ایسا بہتر نظم و نسق قائم کیا گیا کہ جنوب سے تمام روابط منقطع کر دیے گئے۔ سرکاری ڈاک کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ انگریزوں نے قاصدوں کے ذریعہ خبریں بھیجنے کی کوشش کی تو انھیں پکڑ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

'دہلی چلو' کا نعرہ اس وقت بھی بلند ہوا ہوگا، چنانچہ شاہزادہ گوالیار سے دہلی کی طرف بڑھا۔ اول دھول پور پہنچا۔ یہاں کے تحصیلدار سے ایک لاکھ روپیہ وصول کیا۔ افغانی ملازم رکھے۔ ابھی آگے نہیں بڑھا تھا کہ شکست دہلی کی خبر اس کے کانوں میں پڑی۔ لہٰذا دہلی کے بجائے آگرہ کا رخ کیا۔ انگریزی فوج نے کالی ندی پر آ کر مقابلہ کیا اور شکست کھائی، قلعہ بند ہو جانے پر مجبور ہو گئی۔ خدا جانے کیا مصلحت تھی کہ شہزادہ یہاں سے میوات کی طرف چلا گیا۔ شیخ فضل علی رسالدار، جنرل عبد الصمد اور اس علاقہ کے میواتیوں نے بڑی ہم نوائی کی۔ دہلی کے بقیۃ السیف مجاہد بھی آ آ کر مل گئے۔'' (۲)

شاہزادہ فیروز کی داستان تو طولانی ہے۔ کئی سال وہ شمالی ہند کے مختلف خطوں جیسے لکھنو، شاہجہاں پور، مراد آباد، سندیلہ، محمدی، صفی پور اور بریلی وغیرہ میں مردانگی کے ساتھ انگریز کا مقابلہ کرتے رہے۔ بیگم حضرت محل، احمد اللہ شاہ اور تانتیا ٹوپے کے ساتھ مل کر ملک کی آزادی کے لیے قربانیاں دیں، لیکن جب سارے راستے مسدود ہو گئے تو مجبوراً ہندستان سے ترک وطن کر کے روس پھر وہاں سے حجاز چلے گئے اور وہیں ۱۸۹۵ء میں ان کی وفات ہو گئی۔

پہلی جنگ آزادی کے حوالے سے ایک اہم نام قاضی عنایت علی کا ہے۔ قاضی عنایت علی تھانہ بھون کے رہنے والے تھے۔ بڑے مرد مجاہد تھے۔ جہاد شاملی وتھانہ بھون میں شریک رہے۔ان کے اندر آزادی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ جہاد شاملی وتھانہ بھون کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے میدان جنگ تبدیل کر کے تعلیم کو آزادی کا عنوان بنایا، لیکن قاضی عنایت علی برابر جہاد میں مصروف رہے۔ تحصیل جانسٹھ اور ضلع بجنور میں انھوں نے متعدد مقامات پر انگریزوں کو شکست دی اور ایک بھاری جمعیت اپنے ساتھ فراہم کر لی۔ایک جنگ میں ان کے نہایت قریبی ساتھی چودھری ہمنجل کی شہادت ہوئی اور وہ اپنے دوست کے آخری لمحات کی رفاقت میں ایسے مصروف ہوئے کہ میدان جنگ کی بساط ہی الٹ گئی۔ ان کے بہت سے ساتھی مارے گئے اور باقی بھاگ گئے۔

تنہا رہ جانے کے بعد قاضی عنایت علی نے بھوپال کا رخ کیا۔ وہاں جلد ہی اچھی ملازمت مل گئی لیکن ان کی شخصیت کے ذاتی جوہر چھپ نہ سکے اور رفتہ رفتہ ان کی شہسواری اور فنون حرب میں مہارت کا شہرہ ہو گیا جس سے لوگ ان کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہونے لگے۔ اس لیے بھوپال کو چھوڑ کر جودھ پور چلے گئے۔ لیکن وہاں بھی قرار نہ مل سکا۔ آخر میں میوات آ گئے اور میوات میں ہی ان کی وفات ہوئی۔ مولانا سید محمد میاں نے ان کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ میوات میں ان کی آمد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وہ بھوپال چھوڑ کر جودھ پور چلے گئے۔ وہاں بھی ان کی شہسواری اور سپہ گری نے ان کو پوشیدہ نہ رہنے دیا اور بعض عمائدین ان پر شک کرنے لگے تو وہ ریاست الور میں قصبہ تجارہ کے قریب ایک موضع میں اپنے ایک شمشیر ساز دوست کے یہاں تشریف لے آئے اور دمِ واپسیں تک خاموشی سے وہیں مقیم رہے۔ غالباً ۱۹۱۰ میں تراسی یا پچاسی سال کی عمر میں اس شیر بیشہ جرات نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اسی گاؤں میں مدفون ہوئے۔ انتقال کے بعد ان کے شمشیر ساز دوست کو پتہ چلا کہ مرحوم تھانہ بھون کے مشہور مجاہد قاضی عنایت علی خاں

تھے۔‘‘(۳)

جنگ آزادی خاص طور پر پہلی جنگ آزادی میں میوات کے مجاہدین کی داستان آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ مولانا سید محمد میاں کا یہ منصب تھا کہ وہ اس پر لکھتے تو حق ادا کر دیتے۔ لیکن ان کے پیش نظر دراصل علماء کی خدمات کا تعارف تھا۔ اس لیے ضمناً میوات کا تذکرہ آ گیا۔ ویسے میوات پر مختلف حوالوں سے مولانا نے اتنا لکھا ہے کہ اگر اس کو جمع کر دیا جائے تو ایک چھوٹی سی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

میوات کے حوالے سے مولانا کی اصل خدمات دراصل وہ تاریخ ہے جو میو قوم اور میوات سے متعلق جمعیۃ علماء ہند کی خدمات کے تعارف میں شامل ہے۔ اس میں ۱۹۴۷ میں میوات کے حالات کا کافی تفصیلی تذکرہ ہے۔ ۱۹۴۷ء کے خونیں فسادات میں میوات کا علاقہ بھی بری طرح متاثر ہوا تھا۔ میو قوم کی جمعیت منتشر ہو رہی تھی۔ آدھی سے زیادہ میوات قوم اپنے گھر سے بے گھر ہو چکی تھی۔ لوگ کیمپوں میں گھرے پڑے تھے اور کسی کو خبر نہیں تھی کہ کل کا سپیدہ صبح رنج والم کی کون سی داستان لے کر آئے گا۔ اس موقع پر جمعیۃ علماء ہند نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ مولانا سید محمد میاں نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ انھوں میوات میں جمعیۃ علمائے ہند کی خدمات پر ایک مفصل رپورٹ لکھی ہے جو ان کی کتاب ’مختصر خدمات جمعیۃ علماء ہند‘ حصہ دوم میں شامل ہے۔ مولانا کی پوری رپورٹ اس لائق ہے کہ اس کو یہاں نقل کیا جائے۔ لیکن وقت کی تنگی کی بنا پر اس کے کچھ اہم اقتباسات ہی دیے جائیں گے۔

مولانا سید محمد میاں نے ۱۹۴۷ء کی تباہی و بربادی کا ذکر کرنے کے بعد ایک مستقل عنوان مشرقی پنجاب کے نام سے قائم کیا ہے۔ اس میں خاص طور پر میوات کے ضلع گوڑگانواں اور میوات کی مناسبت سے الور اور بھرت پور میں آباد میواتیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے سماجی پس منظر کو اس طرح بیان کیا ہے:

’’ضلع گوڑگانواں کی سرحدیں الور اور بھرت پور سے ملی ہوئی ہیں۔ اس علاقے میں زیادہ تر جاٹوں کی آبادی ہے۔۔۔ ان تینوں اضلاع (گوڑگانواں، الور اور بھرت پور)

میں میووں کی تعداد تقریباً دس لاکھ تھی۔ میووں اور جاٹوں کے تعلقات ہمیشہ اچھے رہے۔ یہ ایک طرح کی قبائلی زندگی کے عادی ہیں۔ ان کے یہاں پنچایتی نظام بہت اچھا ہے۔ ان کی پنچایتیں مشترک ہوتی ہیں۔ اس علاقے میں گوتوں اور خاندانوں کی مرکزی پنچایتیں جن کو وہ پال کہتے ہیں ۱۴ ہیں۔ (۴) پال یا جرگہ کے باقاعدہ اجلاس ہوتے ہیں۔ ان کے فیصلے 'قضاء مبرم' کا حکم رکھتے ہیں۔ ان چودہ پالوں میں تھوک بندیاں بھی ہیں۔ ان میں آپس میں صلح بھی ہوتی ہے اور جنگ بھی اور جنگ و صلح کے عہد و پیمان بھی ہوتے ہیں۔ یہ جرگے ہمیشہ فرقہ واریت سے نا آشنا رہے تھے۔" (۵)

امن واتحاد اور قومی یکجہتی کے اس پس منظر میں ریاست بھرت پور میں فرقہ وارانہ ماحول پیدا ہوگیا۔ مہاراجہ بھرت پور بھی ان فرقہ پرستوں کے چنگل میں پھنس گئے اور انھوں نے اپنی فوجوں کو میواتیوں کے انخلا پر مامور کردیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ طوفان الور میں بھی پہنچ گیا اور جاٹ میووں کا قومی اتحاد اور صدیوں کا پڑوس نا آشنا ہوگیا۔ مولانا محمد میاں ان سب کے چشم دید گواہ تھے۔ انھوں نے ان حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے بحیثیت مورخ لکھا ہے:

"سب سے پہلے ریاست بھرت پور کی اندرونی سیاست نے ارباب اقتدار کو میواتیوں کے خلاف مشتعل کردیا۔ ریاست کی فوجیں جن کا فرض حفاظت امن تھا، میواتیوں کے مقابلے میں صف آرا ہوگئیں۔ کئی ہفتے تک گوریلا قسم کی لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر جان و مال کی تباہی و بربادی کے خسارے کے ساتھ میواتیوں کو ریاست بھرت پور سے نکلنا پڑا۔ اس متعدی مرض نے میو سے گزر کر تمام مسلمانوں پر اثر کیا اور پھر ریاست الور اور ضلع گوڑگانواں کی آب وہوا بھی مسموم ہوگئی۔" (۶)

الور اور بھرت پور کے میو تو ان ریاستوں سے نکالے جا چکے تھے لیکن ضلع گوڑ گانواں برطانوی عملداری میں تھا۔ اس لیے وہاں ایسی صورت پیدا نہ ہوئی اور الور اور بھرت پور کے تباہ حال لوگوں کے لیے بھی وہاں پناہ ملی۔ لیکن گوڑگانواں کے جاٹ اور میو آپس میں ٹکرا گئے، اور دونوں قوموں میں باضابطہ جنگ کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ یہ عجیب جنگ تھی۔

اس کا ایک منظر نامہ وہ ہے جو مولانا نے اسی روداد میں بیان کیا ہے۔ لکھا ہے:

''فرقہ واریت کے شعلے ہر گاؤں اور ہر قریہ میں بھڑک رہے تھے۔ ضلع گوڑگانواں کا یہ علاقہ رزم گاہ بنا ہوا تھا۔ خشک پہاڑیاں، متحارب جماعتوں کی کمین گاہیں تھیں۔ رات کے وقت دونوں فریق کے ہزاروں جنگ جو میدان میں اتر آتے، رات بھر خانہ ساز توپوں سے گولہ باری ہوتی۔ بندوقوں اور رائفلوں کا آزادانہ استعمال ہوتا اور سپیدہ صبح نمودار ہوتے ہی دونوں فریق اپنے زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا کر لے جاتے اور پہاڑوں میں روپوش ہو جاتے۔ میدان جنگ سے ہٹتے تو دیہاتوں پر شب خون مارتے۔ جاٹوں نے تقریباً ایک ہفتہ میں میواتیوں کے ۲۸ دیہات پر چھاپہ مارا۔ میواتیوں نے ایک شب میں جاٹوں کے ۲۷ دیہات پر شب خون مار کر اپنی چستی اور چابک دستی کا سکہ جمادیا۔'' (۷)

میواتیوں کے لیے یہ جنگ اپنے وجود کے بقا کی جنگ تھی۔ لیکن اس جنگ میں اعلیٰ ظرفی، بہادری اور غیرت کی بھی میواتی اور جاٹوں نے مثال قائم کردی۔ جس کا اعتراف پنڈت سندر لال نے بھی اپنی رپورٹ میں کیا ہے۔ مولانا نے بھی لکھا ہے کہ ''اس تمام لڑائی کے دوران کسی میو نے عورت یا بچہ پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ جاٹوں نے بھی بہادری کے اس قاعدہ پر عمل کیا۔'' (۸)

جاٹ اور میووں کی یہ جنگ آپسی صلح اور عہد نامہ پر ختم ہوئی۔ پنڈت سندر لال کا بیان مولانا نے نقل کیا ہے کہ:

''بالآخر ایک شام کو ہر دو فریق نے محسوس کیا کہ آپس کی لڑائی ختم کردی جائے۔ اگلی صبح کو ضلع مجسٹریٹ کو بلوایا گیا۔ مجسٹریٹ ضلع اور فوج والوں کی موجودگی میں میو اور جاٹوں نے عہد و پیمان کیا کہ وہ آئندہ نہ لڑیں گے۔ ہر دو فریق نے باہر کے لوگوں پر جنھوں نے ان کو ایک دوسرے سے لڑایا تھا، لعنت بھیجی۔ لڑائی کے بعد جب صلح ہوئی تو یہ صلح ایسی پائیدار تھی کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ کا انقلاب بھی اس پر کوئی اثر نہ ڈال سکا۔'' (۹)

میوات میں ۱۹۴۷ کے ہنگاموں کا تذکرہ بکثرت کیا جاتا ہے۔ ان تمام حالات پر

میواتی زبان میں نظمیں ہیں، کہاوتیں ہیں، لیکن وہ سب زبانی روایات پر مبنی ہیں، ان کا واقعات کا ایک بڑا تاریخی استناد مولانا محمد میاں کی تحریروں سے سامنے آتا ہے۔ اپنی کتاب 'علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے' میں بھی مولانا نے ان واقعات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے بلکہ وہاں اس کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ جب یہ لڑائی دن میں ہوتی تھی تو دونوں فریق دن بھر لڑتے اور شام ہوتے ہی باہم پنچایت جما کر بیٹھ جاتے اور اس جنگ کے لیے ایک دوسرے پر الزام رکھتے کہ یہ تم نے شروع کر رکھی ہے آخر ایک ایسی ہی پنچایت میں انھوں نے فیصلہ کیا کہ اب نہیں لڑیں گے۔ میوات کے لوگ اس لڑائی کو ''کوٹ بھین'' کی لڑائی کہتے ہیں۔ مولانا نے اپنی دونوں تحریروں میں ان واقعات کی منظر کشی بڑی خوب صورتی سے کی ہے کہ ''بہادر قومیں جنگ بھی کرتی ہیں تو کس طرح کرتی ہیں۔''

ضلع گوڑگانواں کی میو آبادی کے مسائل تو کسی طرح کم ہو گئے تھے مگر میوات کا ایک بڑا مسئلہ الور اور بھرت پور کی میو آبادی کا تھا۔ وہ دباؤ میں اپنے وطنوں سے نکل آئے تھے لیکن وہ کسی قیمت پر اپنے وطن کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ کچھ ایسے عناصر ضرور موجود تھے جو اُن کو پاکستان جانے پر اکسا رہے تھے لیکن اکثریت اس پر جمی ہوئی تھی کہ ہم اپنے وطن میں ہی رہیں گے۔ مولانا نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اگر میواتیوں کی یہ پوری تعداد مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی طرح ترک وطن کا عزم کر لیتی تو ہندیونین کی تاریخ سے ان کا نام بھی مٹ جاتا اور ہمیں بھی ضرورت نہ ہوتی کہ ان کے ذکر خیر کے لیے ایک مستقل باب قائم کریں۔ لیکن عجیب بات یہ تھی کہ الور اور بھرت پور کی تمام جفا کاریوں کے باوجود اُن میواتیوں کے علاوہ جن پر لیگ کا رنگ چڑھ چکا تھا (اور وہ خوش حال، ملازمت پیشہ اور زمینداروں کا طبقہ تھا) تقریباً چار لاکھ میواتیوں کا عزم یہی تھا کہ جس سرزمین پر انھوں نے جنم لیا، جس مادر وطن کی پیداوار سے غذا حاصل کر کے وہ جوان اور بوڑھے ہوئے، جہاں ان کے کھیت اور جھونپڑیاں ہیں، وہیں رہیں گے، وہیں مریں گے اور وہیں دفن ہوں گے۔''(۱۰)

میواتیوں کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے بھی بڑی جدوجہد کی۔ خاص طور پر میوات کے سرگرم اور مشہور رہنما مولانا محمد ابراہیم الوری نے اس مسئلہ میں بڑا اہم کردار ادا کیا، گھاسیڑہ میں ایک کانفرنس بلائی گئی۔ اس میں گاندھی جی بھی شریک ہوئے اور مشرقی پنجاب کے وزیروں کو بھی اس میں دعوت دی گئی۔ لیکن مسئلہ حل نہیں ہوا۔ اس لیے دوبارہ کانفرنس ہوئی اور اس میں گاندھی جی کو پھر بلایا گیا۔ بقول مولانا سید محمد میاں ''میواتیوں کے قوم پرور رہنماؤں کا جن میں مولانا محمد ابراہیم صاحب صدر جمعیۃ علماء ضلع الور (ایم ایل اے، راجستھان) کا اسم گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ گاندھی جی سے اور مرکزی حکومت کے ارباب اقتدار سے تعلق قائم کرایا۔'' (۱۱)

عام طور پر میوات پر مشہور ہے کہ گاندھی جی ایک مرتبہ گھاسیڑہ تشریف لائے تھے، لیکن مولانا محمد میاں کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دو مرتبہ تشریف لائے۔ البتہ یہ تحقیق طلب ہے کہ یہ کانفرنس دوبارہ بھی گھاسیڑہ میں ہی ہوئی تھی۔ مولانا نے گاندھی جی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ گاندھی جی کا فیصلہ تھا کہ ''میو قوم ہند یونین کا گاڑھا خون ہے، وہ اپنے ملک کی فوجی طاقت کو اپنے ہاتھ سے ضائع نہیں کریں گے۔''

گاندھی کی اچانک اور حادثاتی موت نے میوات کو بہت متاثر کیا۔ میوات میں اب بھی ایک گانا گایا جاتا ہے کہ

گولی باپو کے لگی ہے چھاتی بیچ　　　بھروسو اُٹھ گو میون کو

گاندھی جی پر میو بھروسہ کرتے تھے۔ ان کی موت کے بعد ہوسکتا ہے کہ میو حوصلہ چھوڑ دیتے لیکن بقول مولانا محمد میاں گاندھی کے بعد ان کے شاگردوں جیسے ونوبا بھاوے اور پنڈت سندر لال نے اس علاقے کے دورے کیے۔ لوگوں کو بھروسہ دلایا اور لوگوں کو دوبارہ آباد کرنے میں اہم کردار ادا کیا بلکہ ونوبا جی نے اس علاقے میں ہندو مسلم تعلقات کو خوش گوار بنانے کے لیے ہندو مسلمانوں کا ایک مشترکہ عملہ مقرر کیا اور رفتہ رفتہ نفرت وعناد کی فضا کم ہوئی اور میو اپنے گاؤں اور اپنی زمینوں پر واپس آئے۔ لیکن یہاں دوسرے مسائل بھی

تھے۔ان کی زمینیں پر شارتھیوں کوالاٹ ہو چکی تھیں۔اس لیے بڑے مسائل تھے۔مولانا نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے میوقوم کی وطن دوستی کا ذکر کس والہانہ انداز میں کیا ہے۔دیکھیے :

''اب بھی ہزاروں میو اپنی زمینوں سے محروم ہیں۔وہ مزدوری کر کے اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اگر چہ ان کے کھیت اور زمینیں دوسروں کے نام الاٹ ہیں۔مگر وہ اس پر قانع اور شکر گزار ہیں کہ ان کو مزدوری مل جاتی ہے۔اور مالک کی حیثیت سے نہ سہی مزدور کی حیثیت سے وہ اپنے کھیت کی ہوا کھالیتے ہیں اور اس کے کنویں کا پانی پی لیتے ہیں۔۔۔بہر حال جس طرح میو برادری کا استقلال مستحق صد ستائش ہے کہ ہر طرح کی تلخیوں اور بے پناہ مصائب کے باوجود اس برادری کی اکثریت نے وطن نہیں چھوڑا۔'' (۱۲)

میواتیوں کی یہ داستان خوں چکاں لرزہ خیز بھی ہے اور طولانی بھی۔آخری بات یہ ذکر کرنی ضروری ہے کہ مولانا محمد میاں نے میوات کے ان لوگوں سے متعلق اور میوات کے دیگر مسائل سے متعلق پانچ اہم کاموں کا تذکرہ کیا ہے جو جمعیۃ علماء نے اہل میوات کے لیے انجام دیے۔طوالت کے خوف سے ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ وہ کام بھی سامنے آجائیں اور مولانا محمد میاں اور جمعیۃ علماء ہند کی خدمات کا بھی تعارف ہو جائے۔

مولانا نے پہلا بنیادی کام تو یہ بتایا کہ مشرقی پنجاب کی حکومت اہل میوات کو اپنا حصہ تسلیم کرلے۔گھاسیڑہ کانفرنس کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی تھا۔چنانچہ یہ پورا ہوگیا۔اس کی کسی قدر تفصیل ہم نے اس مضمون میں بیان بھی کردی ہے۔دوسرا بنیادی کام یہ تھا کہ الور اور بھرت پور سے جو لوگ نکال دیے گئے ان کو دوبارہ آباد کیا جائے اور ان ریاستوں میں جو نفرت کا ماحول ہے وہ ختم ہو جائے۔اس کے لیے جمعیۃ علماء ہند کے وفد خود مولانا کی قیادت میں اس علاقے میں گئے۔لوگوں میں اعتماد بحال کیا اور رفتہ رفتہ لوگ دوبارہ اپنے آبائی مکانوں میں آباد ہونے لگے۔مولانا نے بعض بڑی لرزہ خیز داستانیں بھی ذکر کی ہیں۔

مولانا کے بقول تیسری بنیادی خدمت یہ تھی کہ پر شارتھیوں اور مقامی مسلمانوں کے درمیان تعلقات خوشگوار قائم کیے جائیں اور باہمی اعتماد کی فضا استوار ہو۔سو یہ کام

ونوبا بھاوے اور پنڈت سندر لال کے تعاون سے انجام پذیر ہوا۔ چوتھا بنیادی کام یہ تھا کہ دین وایمان کے تحفظ کے لیے یہاں مدارس اور مکاتب قائم کیے جائیں، تو اس مقصد کے تحت تقریباً پچاس مکتب اور مدرسے قائم کیے گئے۔ بے شمار مساجد شہید ہوگئی تھیں۔ ان کا تو کوئی پرسان حال تھا ہی نہیں۔ مسجدوں پر قبضے تھے۔ گوڑ گانواں اور بھرت پور کی مساجد کو آزاد کرایا۔

پانچویں بنیادی خدمت یہ تھی کہ آباد ہونے والوں کے مکانات اور زمینیں ان کو واپس دلائی جائیں۔ یہ معاملہ مولانا کے نزدیک معقول تو تھا لیکن پیچیدہ تھا۔ تاہم اس میں بھی اس وقت تک اسی فیصدی کامیابی مل چکی تھی۔ (۱۳)

۱۹۴۷ کے ہنگاموں میں میوقوم کے مسائل اور ان کے حل کی کاوشوں کا سب سے تفصیلی تذکرہ مولانا محمد میاں نے کیا ہے۔ مولانا کی تحریروں کے ذریعہ اس دور کی کافی حد تک معتبر اور مکمل تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے اور جو قصے ہم اپنے بزرگوں سے زبانی سنتے آرہے ہیں ان کے لیے تاریخی استناد بھی مل جاتا ہے۔

مولانا محمد میاں نے بعض اور مقامات پر بھی اس داستان کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی پر مولانا کے مضمون میں بھی اہم حوالہ ہے، اگرچہ اس کے تذکرے سے کسی حد تک تکرار لازم آتی ہے لیکن اس میں ضمنی طور بعض بڑی اہم معلومات ہیں، اس لیے اس کا یہاں تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

روزنامہ الجمعیۃ دہلی کے مجاہد ملت نمبر میں مولانا سید محمد میاں نے اپنے مفصل مضمون میں ایک مستقل عنوان ''میواتیوں کا مسئلہ'' قائم کر کے اس موضوع پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد مجاہد ملت کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ مجاہد ملت کی عظیم الشان شخصیت ان لاکھوں مسلمانوں کے لیے وہ کوہ استقلال ثابت ہوئی جس کی ان کو ضرورت تھی۔ مجاہد ملت نے کبھی خود ان علاقوں کا دورہ کر کے اور کبھی اپنے رفیقوں کو بھیج کر صرف اطمنان کا پیغام نہیں پہنچایا

بلکہ آپ نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ ان کی اہمیت گاندھی جی کے ذہن نشین کرائی اور ان کو اس درجہ متاثر کیا کہ گاندھی جی میواتیوں کی حفاظت اور اجڑے ہوئے میواتیوں کو ان کی جگہ آباد کرانا اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا۔ مشرقی پنجاب کی حکومت الور بھرت پور کی ریاستیں جن کے اخراج کا فیصلہ کر چکی تھیں ان کے بارے میں مہاتما گاندھی نے کھلے اجلاس میں فرمایا 'میواتی بھارت کی ریڑھ کی ہڈی اور ہمارے ملک کا گاڑھا خون ہیں، میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ وطن کا گاڑھا خون ان کے بدن سے نکال دیا جائے۔' مجاہد ملت نے ایک طرف ان میواتیوں کو کانفرنس میں جمع ہونے کا مشورہ دیا، گھاسیڑہ مقام پر کانفرنس ہوئی جس میں پنجاب کے چیف منسٹر مسٹر بھارگو بھی شریک ہوئے اور مجاہد ملت مہاتما گاندھی کو بھی اس کانفرنس میں لے گئے۔ اس موقع پر بھارگو کی تقریر میواتیوں کو کیا خود مہاتما گاندھی کو بھی مطمئن نہیں کر سکی۔ لیکن گاندھی جی نے حکومت کے ذرائع سے علیحدہ ہو کر اپنے خاص ورکروں کو اس علاقے میں لگایا جو کئی سال تک یہاں کام کرتے رہے۔ گاندھی جی کے مشہور چیلے ونوبا بھاوے نے بھی گاندھی جی کے حکم سے اس علاقے کا دورہ کیا جو مسلمان دہشت و رعب کی وجہ سے ہندو ہو گئے تھے ان کی چوٹیاں کٹوائیں۔'' (۱۴)

میوات کے جن لوگوں سے مولانا کا تعلق تھا اور جس طرح کا تعلق تھا افسوس نہ وہ لوگ رہے اور نہ ہی ان کے تعلق کو قید قرطاس وقلم کیا گیا، جستہ جستہ کہیں کچھ تذکرہ مل جاتا ہے جن سے اس قریبی تعلق کا اشارہ مل جاتا ہے۔ ایک تذکرہ تجارہ کی کانفرنس کا ہے اس میں نواب امین الدین خاں بھی موجود تھے اور میوات کے مشہور وکیل ولی محمد خاں بھی تھے۔ مولانا نے اس کی رپورٹنگ کرتے ہوئے لکھا کہ:

''۲ دسمبر ۱۹۶۲ کو میواتی صاحبان کی کانفرنس ضلع الور راجستھان کے مشہور قصبہ تجارہ میں ہوئی۔ آنر ایبل حافظ محمد ابراہیم صاحب نے بھی اس کانفرنس میں شرکت فرمائی۔ نواب محمد امین خاں صاحب آف لوہارو مجلس استقبالیہ کے صدر تھے۔ معزز مہمان مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی جنرل سکریٹری جمعیۃ علمائے ہند کا استقبال کرتے ہوئے

استقبالیہ کے معزز رکن ولی محمد خاں صاحب وکیل نے جمعیۃ علما بالخصوص مجاہد ملت کی خدمات کا ذکر کیا پھر خود اپنے متعلق فرمایا کہ میری یہ آزادی مجاہد ملت کے طفیل ہے، کچھ مخالفوں نے مجھے قتل کے مقدمے میں جکڑ دیا تھا، مجاہد ملت نے شہادت دی کہ میں اس وقت دہلی میں ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ یہی شہادت میری برات کا ذریعہ بن گئی۔‘‘(۱۵)

مولانا کی تحریروں میں بعض دوسرے مقامات پر بھی ضمناً میوات کا حوالہ آیا ہے۔ میوات میں مدارس کے قیام اور ان میں جمعیۃ علمائے ہند کی امداد سے قائم شدہ تقریباً چالیس مکاتب و مدارس کا تذکرہ کئی مرتبہ کیا ہے۔ مولانا نے ایک مضمون ’’جمعیۃ علمائے ہند اور مذہبی تعلیم و تربیت‘‘ کے عنوان سے ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں لکھا تھا، اس میں اس علاقے میں جمعیۃ علمائے ہند کی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

’’مندرجہ ذیل علاقے خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جو پہلی اور ابتدائی کوشش کا مرکز قرار دیے گئے۔ کیوں کہ یہاں تباہی بھی سب سے زیادہ آئی تھی۔ الور، بھرت پوران دونوں ریاستوں سے مسلمانوں کو جبراً نکالا گیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ جمعیۃ علمائے ہند کے مخلص خدام کی جدوجہد کامیاب ہوئی اور تقریباً ۱۹۴۹ سے ان علاقوں میں مسلمان دوبارہ آباد ہونے لگے اور ساتھ ساتھ جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے دینی مکاتب کا جال پھیلایا جانے لگا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس وقت ان دونوں ریاستوں میں جواب صوبہ راجستھان کے دوضلعے ہیں کم و بیش چار لاکھ مسلمان دوبارہ آباد ہو چکے ہیں اور ساٹھ سے زیادہ اسلامی مکاتب و مدارس یہاں قائم کیے جا چکے ہیں۔‘‘(۱۶)

میوات کے مدارس کی تعلیمی سرگرمیوں سے بھی مولانا پوری طرح باخبر رہتے تھے اور میوات کے لوگ بھی تعلیم کی ترقی کے لیے مولانا سے مشورے لیتے رہتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے عربی رسالہ ’الداعی‘ کے مدیر اور استاد گرامی قدر مولانا نور عالم خلیل امینی نے مولانا کے خاکے میں اس طرح کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ:

’’ایک مشورہ یہ بھی تھا کہ آپ چاہیں تو میوات کے نوح کے مدرسے میں جو مولانا

نور محمد صاحب (شاگرد وخلیفہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی) (۱۷) کی سرپرستی میں چلتا ہے صدر مدرس کی جگہ خالی ہے اور وہاں کے ذمے دار حضرات اس جگہ کو پر کرنے کے لیے مجھ سے مسلسل رابطے میں ہیں۔'' (۱۸)

میوات کے ایک مرد مجاہد مولانا عبدالرحیم بڈیڈوی بھی تھے۔ وہ جمعیۃ علمائے ہند کے سرگرم رکن تھے اور میوات کی جمعیۃ کے صدر بھی تھے انھوں نے چند کتابیں بھی لکھی تھیں۔ مولانا سید محمد میاں نے ان پر مختصر تقریظیں لکھی ہیں۔ ان سے بھی میوات سے مولانا کے تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ مولانا عبدالرحیم بڈیڈوی نے رسالہ احکام جمعہ کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا، اس پر مولانا محمد میاں نے لکھا کہ:

''احقر محمد میاں نے یہ رسالہ دیکھا، مولانا عبدالرحیم صاحب بڈیڈوی نے جس جذبہ سے یہ رسالہ لکھا ہے وہ قابل قدر ہے، جو باتیں اس میں لکھی گئی ہیں ان کے حوالے درج ہیں جو صحیح ہیں۔ اللہ تعالی مولانا کی محنت اور لگن کو قبول فرمائے اور اس کے بہتر نتائج ظاہر ہوں۔'' (۱۹)

میوات کے ایک بڑے عالم مولانا حبیب الرحمٰن خاں میواتی تھے۔ وہ بڑے جید عالم اور عربی فارسی و اردو کے ماہر تھے۔ انھوں 'تذکرہ صوفیہ میوات' کے نام سے میوات کے صوفیہ کا بھی ایک تذکرہ لکھا ہے۔ انھوں نے مولانا سید محمد میاں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی وفات کے بعد الجمعیۃ نے ایک خصوصی نمبر شائع کیا تھا۔ اس کے لیے مولانا عبدالمنان الدہلوی مرحوم نے ایک قصیدہ عربی زبان میں لکھا۔ میں وہ قصیدہ اور اس کا اردو ترجمہ کر کے مولانا سید محمد میاں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مولانا نے قصیدہ پڑھ کے بہت دیر مولانا عبدالمنان الدہلوی اور ان کے والد گرامی استاذ العلماء مولانا عبدالسبحان میواتی کا تذکرہ کیا۔ اس کے بعد مجھ سے پوچھا کہ یہ ترجمہ تم نے کیا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو بہت خوش ہوئے اور مجھ سے بھی مضمون لکھنے کی فرمائش کی۔ میں نے چند دن میں عربی میں ایک مضمون لکھ کر پیش کیا، اسے دیکھ کر مولانا حیرت میں

پڑ گئے، کبھی مضمون کو دیکھتے اور کبھی مجھے، جیسے ان کو یقین نہ آیا ہو، بار بار پڑھا۔ فرمایا اتنا کم عمر اور اس پائے کا مضمون! پھر مجھ سے مسکرا کر فرمایا بھائی! ہم نے تم سے اردو میں مضمون کے لیے کہا تھا تم تو عربی میں مضمون لکھ لائے۔ پھر ہنس کر فرمایا کہ بھائی! کیا واقعی یہ تم نے لکھا ہے؟ اس پر میں عربی میں ہی جواب دیا، اس کے بعد مولانا سے ساری گفتگو عربی میں ہوئی ساتھ ساتھ مولانا مضمون کو پڑھتے بھی جاتے تھے اور میری طرف دیکھ کر تحسین آمیز لہجے میں ماشاء اللہ بھی کہتے جاتے تھے۔ اس کے بعد ان کے ارد گرد بیٹھے علما سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ مضمون اس میواتی بچے نے لکھا ہے اور فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میوات کی سرزمین تبلیغ و تعلیم سے نم ہو کر زرخیز ہو گئی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب اس میں سے لعل و جواہر پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد میرا مضمون اور مولانا عبد المنان کا قصیدہ میرے ترجمے کے ساتھ الجمعیۃ کے اس خصوصی شمارے میں شائع کیا۔

میوات میں مولانا کے متعدد تلامذہ بھی گذرے ہیں۔ حق تھا کہ ان کا بھی تذکرہ کیا جاتا لیکن مضمون میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ بہر حال یہ تو اندازہ ہوتا ہے کہ میوات سے مولانا کا کتنا گہرا رابطہ تھا۔ مولانا مستقل میوات آتے جاتے رہتے تھے اور میوات کے لوگوں اور ان کے مسائل سے پوری طرح باخبر تھے۔ میوات کو دوبارہ آباد کرانے میں اور بزرگوں کے ساتھ مولانا محمد میاں کی خدمات بھی غیر معمولی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل سے ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی خدمات کا اچھا بدلہ عطا فرمائے۔

(اس مضمون کی تکمیل میں برادرم شبیر احمد خاں میواتی (لاہور) نے بڑی مدد فرمائی اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔)

حواشی

(۱) مولانا محمد میاں کی سوانح کے لیے دیکھیے:

مولانا نور عالم خلیل امینی: پس مرگ زندہ، ادارہ علم و ادب، افریقی منزل قدیم، دیو بند، ۲۰۱۰ص ۳۷ تا ۱۰۷

(۲) مولانا محمد میاں: علماء ہند کا شاندار ماضی، مکتبہ محمودیہ، لاہور جلد ۴، ص ۴۶۳-۴۶۴

(۳) ایضاً ص ۵۰۶

(۴) میوات میں خاندانی نظام بارہ پال اور ۵۲ گوتوں پر مشتمل ہے مولانا نے یا تو تسامح میں ۱۴ لکھ دیا ہے یا پھر سہو کتابت ہے۔

(۵) مولانا محمد میاں: مختصر خدمات جمعیۃ علماء ہند، الجمعیۃ بک ڈپو، دہلی ۱۹۶۳، جلد ۲ ص ۲۵

(۶) ایضاً

(۷) ایضاً ص ۲۶

(۸) ایضاً ص ۲۷

(۹) ایضاً ص ۲۸

(۱۰) ایضاً ص ۲۹

(۱۱) ایضاً ص ۳۰۔۳۱

(۱۲) ایضاً ص ۳۲

(۱۳) ایضاً ص ۳۴۔۳۵

(۱۴) الجمعیۃ، دہلی، مجاہد ملت نمبر ۱۵ مارچ ۱۹۶۳ ص ۶۵۔۶۶

(۱۵) ایضاً ص ۸۷

(۱۶) ماہنامہ دار العلوم، اپریل ۱۹۵۹ [یہ مضمون پہلے روزنامہ الجمعیۃ کی اشاعت ۳ ر مارچ ۱۹۵۸ ص: ۳ پر شائع ہوا، اس کے بعد ماہنامہ دار العلوم میں شائع ہوا۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)]

(۱۷) نوح کے مدرسے کے سرپرست مولانا نیاز محمد صاحب تھے مولانا نور محمد نہیں، شاید استاد گرامی سے نام لکھنے میں تسامح ہوگیا۔

(۱۸) مولانا نور عالم خلیل امینی: پس مرگ زندہ، ادارہ علم و ادب، افریقی منزل قدیم، دیوبند، ۲۰۱۰ ص ۸۰

(۱۹) مولانا عبد الرحیم بڈیڈوی: رسالہ احکام جمعہ۔ مکتبہ اعزازیہ، دیوبند، بدون سنہ

☆☆☆☆☆